اسلام

اور

مشکلاتِ حیات

مولانا سیّد جلال الدین عمری

اسلام اور مشکلاتِ حیات

فہرست مضامین

ജ്ഞ

دیباچہ

اس حیرت انگیز اور بوقلموں دنیا کا جن پہلوؤں سے مطالعہ کیا گیا ہے ان میں ایک پہلو خوشی اور غم کا بھی ہے۔ بعض لوگوں نے اسے اس طرح دیکھا کہ یہاں ہر طرف غم و اندوہ کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اس کی خوشی بھی غم کا پیغام سناتی ہے، تکلیف اور مصیبت آرام و آسائش کا تعاقب کرتی اور اس پر غالب آجاتی ہے، راحت کے پیچھے کلفت دوڑی چلی آرہی ہے، صحت اور تندرستی مرض کے خطرے سے آگاہ کرتی ہے، زندگی کی زبان سے موت کا اعلان ہوتا ہے، بہار کے نغمے خبر دیتے ہیں کہ خزاں کے مرثیے پڑھے جائیں گے، نسیم سحر کہتی ہے کہ ابھی بادِ صرصر کی آمد ہے۔ دکھوں سے بھری اس دنیا میں سکون اور راحت کی تلاش بے سود ہے، اس کی نعمتیں بھی اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہاں کا خمارِ عیش بھی سرگرانی کا باعث ہے۔ اس اندازِ فکر نے دنیا ہی سے بے زاری اور نفرت پیدا کی اور اس سے دور اور علیحدہ رہ کر مکتی اور نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔

بعض لوگوں نے سوچا کہ اس دنیا میں گو دکھ درد اور آزار ہے، جسمانی تکلیفیں اور روح کے صدمات ہیں، لیکن یہ مصائب و آلام کا گھر نہیں ہے۔ یہاں سیلاب، طوفان، آندھیاں اور زلزلے ہیں تو صبح و شام کی دل فریبی، بہاروں کی رنگینی، ہواؤں کی

لطافت اور دریاؤں کی روانی بھی ہے۔ یہ دنیا چٹیل میدانوں اور خشک صحراؤں ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ہرے بھرے چمن، سبزہ زار، لالۂ صحرا، رنگ برنگ کے پھول اور آبشار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک طرف مرض، موت اور ہلاکت کے ہول ناک مناظر ہیں تو دوسری طرف حسن و شباب اور رعنائی و شگفتگی کا سیلاب بھی رواں دواں ہے۔ پھر اسی دنیا سے انسان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اس سے صرفِ نظر کرلے؟ اس کی فطرت پکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ یہاں کی راحتوں سے اپنا دامن بھرلے، آلام و مصائب سے بچنے اور زندگی کو خوش گوار بنانے کی تدبیریں کرے۔ یہ دنیا ماتم کی نہیں عیش کی جگہ ہے۔ انسان کی ساری قوتیں عیش و عشرت کی طلب میں صرف ہونی چاہئیں۔

حقیقت ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔ یہ دنیا نہ تو محض راحت کدہ ہے اور نہ محض غم کدہ۔ یہاں خوشی اور غم، پھول اور کانٹے، دھوپ اور چھاؤں، رات کی خنکی اور دن کی تمازت ساتھ ساتھ ہیں۔ اسی سے یہ پورا نظام قائم ہے۔ انسان نہ تو ان میں سے کسی کا انکار کرسکتا ہے اور نہ اس سے صرفِ نظر کرنا اس کے لیے ممکن ہے۔ حالات اس کے موافق بھی ہوتے ہیں اور مخالف بھی۔ وہ ان سے فطری طور پر متاثر ہوتا ہے۔ غم کے اسباب اسے غم میں مبتلا کرتے ہیں اور خوشی کا سامان اس کے لیے باعث مسرت ہوتا ہے، لیکن انسان جلد بازی، بے صبری، ظرف کی تنگی اور نتائج سے بے خبری کی وجہ سے خوشی اور غم دونوں مواقع پر اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خدا پر ایمان و یقین کار فرما اور دل اس کی یاد سے معمور ہو تو آسائش اور تکلیف دونوں میں انسان کے قدم لغزش نہیں کھا سکتے اور وہ صحیح راہ پر قائم رہ سکے گا۔

مشکلات اور پریشانیاں اچھوں پر بھی آتی ہیں اور بروں پر بھی۔ وہ نیک و بد کے درمیان فرق نہیں کرتیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مشکلات کیوں پیش آتی ہیں؟ اس کے پیچھے کیا مقاصد ہیں؟ خدا پرست انسان ان مشکلات میں کیا رویہ اختیار کرتا ہے اور

خدا فراموش انسان پر ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟ میں نے بعض موضوعات کی تیاری کے دوران میں اس موضوع سے متعلق بھی قرآن و حدیث کا نقطۂ نظر سمجھنے کی کوشش کی تو اس کے حقیقت پسندانہ اور بے لاگ جائزہ سے ایمان میں اضافہ محسوس ہوا اور بہت سی شخصی اور اجتماعی کوتاہیاں سامنے آئیں۔ اپنے اس مطالعہ کو پہلے ماہ نامہ 'زندگی نو' میں وقفہ وقفہ سے شائع کرنے کا موقع ملا۔ اب اسے نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس میں مسرت اور خوشی پر تفصیل سے بحث نہیں ہے۔ صرف ضروری اشارات کیے جاسکے ہیں۔

مشکلات و مصائب سے ہر شخص دو چار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا پر اعتماد و یقین اور صبر و ثبات ہی سے ان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے اور اسی کے لیے انسان کو تیار کرتا ہے۔ امید ہے کہ یہ مختصر سی کتاب اسلام کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد و معاون اور مفید ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات و مصائب سے محفوظ رکھے اور ان کے پیش آنے کی صورت میں استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

جلال الدین

۱۵/دسمبر ۱۹۸۸ء

طبع جدید

اس کتاب کے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ سے دو ایڈیشن بہت پہلے شائع ہوئے تھے۔ ان کے آخر میں وہ مقالہ بھی شامل تھا، جو میں نے فروری ۱۹۸۷ء میں جامعہ ہمدرد کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے شعبۂ قانون کے تحت منعقدہ ایک سیمینار میں خودکشی اور قطع حیات کے موضوع پر پیش کیا تھا۔ جون ۱۹۸۷ء کے سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' علی گڑھ میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس کا ایک ترجمہ ہمدرد کے مجلّہ Islamic and comparative law quarterly میں اور دوسرا ترجمہ پاکستان کے انگریزی رسالہ The Universal Message میں شائع ہوا۔ بعد میں اس مقالہ کو موضوع کی مناسبت سے میں نے اپنی کتاب 'صحت ومرض۔ اسلامی تعلیمات میں' نظر ثانی کے بعد شامل کر دیا ہے۔ لہٰذا یہاں اس کی اشاعت کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی اور وہ حذف کر دیا گیا ہے۔ کتاب کا یہ تیسرا ایڈیشن کسی قدر نظر ثانی کے بعد مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کی طرف سے پہلے سے بہتر شکل میں پیش ہو رہا ہے۔ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس عاجز کے لیے ذخیرہ آخرت بنا دے۔

جلال الدین عمری

۲۰؍جنوری ۲۰۱۱ء

اسلام اور مشکلاتِ حیات

اس دنیا میں کون ہے جو کسی نہ کسی مصیبت یا مشکل سے کبھی دوچار نہ ہو۔ جب کسی فرد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ اس کے لیے بھی اور پورے معاشرے کے لیے بھی ایک آزمائش ہوتی ہے۔ اس میں جس طرح مصیبت زدہ انسان کے صبر و ثبات، توکل، جرأت و ہمت، عزم و حوصلہ، خود داری اور عزتِ نفس کی آزمائش ہے، اسی طرح ان سب لوگوں کے اخلاق، شرافت، ہم دردی و خیر خواہی اور انسانیت کا بھی امتحان ہے جو اس سے دور یا نزدیک کا تعلق رکھتے ہیں۔ مصیبت چھوٹی، بڑی، عارضی یا مستقل، جس نوعیت کی ہوتی ہے، آزمائش بھی اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ فرد اور معاشرہ کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے اتریں۔ فرد مصیبت میں صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑے اور معاشرہ اسے مادی و اخلاقی لحاظ سے گرنے نہ دے۔ اسلام اسی کے لیے دونوں کو تیار کرتا ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جس طرح اس نے تجزیہ کیا ہے اور جامع ہدایات دی ہیں ان کی نظیر شاید مذاہب کی تاریخ میں نہیں ہے۔

مصائب و مشکلات اللہ کی مشیت کے تابع ہیں

اس دنیا میں کوئی بھی واقعہ اتفاق سے نہیں پیش آتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے ٹھیک اسی وقت ہوتا ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی تاخیر کبھی نہیں ہوتی۔ اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہ تو کوئی پتہ حرکت کرسکتا ہے اور نہ

کسی ذرّہ کی اپنی جگہ سے جنبش ہی ممکن ہے۔ مشکلات و شدائد کا ظہور بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے اور آسائش و راحت بھی اسی کی طرف سے ملتی ہے۔ برے اور بھلے حالات سے قومیں بھی گزرتی ہیں اور افراد بھی۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور فیصلہ سے ہوتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی بے پایاں حکمت کام کرتی ہے۔ یہاں پہلے قوموں کی مشکلات اور اس کے بعد افراد کی مشکلات کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی ضروری وضاحت کی جائے گی۔

مصائب نافرمان قوموں کی تنبیہ کے لیے آتے ہیں

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کو بھول جاتی ہے اور بار بار کی یاد دہانی اور تذکیر کے باوجود اپنی غلط روش پر جمی رہتی ہے تو وہ مختلف قسم کی مشکلوں اور پریشانیوں میں ڈال دی جاتی ہے، تاکہ اسے تنبیہ ہو اور وہ محسوس کرے کہ یہ اس کی غلطیوں اور نافرمانیوں کی سزا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مصائب میں اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے اور اپنی روش پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مصائب و مشکلات کے باوجود اگر کوئی قوم اللہ کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس پر آسائش اور راحت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور عیش و عشرت کے لیے اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ حیاتِ دنیا سے اپنا پورا حصہ پالے۔ جب وہ اپنی ترقیوں اور کامیابیوں پر نازاں اور خدا کی گرفت سے بے خوف ہوکر بڑھتی چلی جاتی ہے تو عذاب کا شکنجہ اس پر کس دیا جاتا ہے اور خدا کی زمین فتنہ و فساد سے پاک کردی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَاَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ ۝ فَلَوۡ لَاۤ اِذۡ جَآءَہُمۡ	ہم نے تم سے پہلے کی امتوں کی طرف رسول بھیجے (جب انھوں نے انکار کیا تو) ہم نے انھیں تنگی اور تکلیف میں پکڑ لیا تاکہ

بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍؕ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً فَاِذَاھُمْ مُبْلِسُوْنَ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْاؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

(الانعام: ۴۲-۴۵)

وہ گڑگڑائیں، جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی۔ حقیقت میں ان کے دل سخت ہوگئے تھے اور جو کچھ وہ کررہے تھے اسے شیطان نے ان کے لیے خوب آراستہ کردیا تھا۔ جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔ جب وہ ان چیزوں پر خوشی سے مست ہوگئے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے اچانک انھیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہوکر رہ گئے۔ پس (اس طرح) ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرتے رہے اور سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مصائب و مشکلات اہلِ ایمان پر بھی آتے ہیں

غالباً قدیم زمانہ سے یہ خیال چلا آرہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور اس کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں، وہ انھیں ہر طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے برگزیدہ اور مقرب بندوں پر تو اس کی خاص عنایت ہوتی ہے اور وہ ہر آن اس کے انعامات و اکرامات سے نوازے جاتے ہیں۔ اسی تصور کے تحت اللہ کے رسولوں کے بارے میں ان کے دشمن کہا کرتے تھے کہ یہ اس کے کیسے رسول ہیں کہ کوئی حکومت اور اقتدار نہیں رکھتے اور انھیں دنیوی حشمت اور دبدبہ حاصل نہیں ہے۔ اگر یہ سچ مچ اللہ کے رسول ہوتے تو فرشتے ان کے ساتھ چلتے، سونے چاندی کے محلوں میں رہتے اور بدن پر شاہانہ لباس ہوتا، دولت کے خزانے ان کے تصرف میں ہوتے، کم از کم سرسبز و شاداب باغوں کے مالک ہوتے۔ یہ تو نہ ہوتا کہ عام انسانوں کی طرح انھیں غذا کی حاجت ہوتی اور وہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے

بازاروں میں دوڑتے پھرتے۔ قرآن مجید نے اس تصور کی تردید کی اور بتایا کہ رسالت ان باتوں کی محتاج نہیں ہے اور پیغمبری دولت و ثروت کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے۔ خدا کے رسول انسان ہی ہوتے ہیں، بھوک، پیاس، مرض و صحت، تنگ دستی و خوش حالی ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے[۱]

اسی طرح جو لوگ رسولوں پر ایمان لاتے ان کے بارے میں کہا جاتا کہ ان کا تعلق پست طبقات سے ہے۔ وہ غریب اور خستہ حال ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے لیے ان سے بہتر افراد نہیں ملے؟ ہم اپنی سوجھ بوجھ کی وجہ سے دنیا کے ہر معاملہ میں آگے ہیں۔ جو دین پیش کیا جا رہا ہے وہ حق ہوتا تو اس کی حقانیت ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ان ناداروں سے پہلے آگے بڑھ کر ہم اسے قبول کرتے[۲]

قرآن مجید نے ان باتوں کی تردید کی اور بتایا کہ حق دنیا کے مال و منال کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، ورنہ دنیا کا ہر سرکش حق پرست اور ہر زردار دین کا علم بردار ہوتا۔ جن لوگوں کی غربت کے تم طعنے دے رہے ہو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کل اُن کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور ان کو کن نعمتوں سے نوازے گا[۳]

قرآن مجید نے بتایا کہ اللہ کے نیک بندوں، حتی کہ اس کے پیغمبروں کو بھی ہر قسم کے ناخوش گوار حالات پیش آتے ہیں۔ تنگ دستی، بیماری، مالی و جانی نقصانات اور طرح طرح کے صدمات انھیں اٹھانے پڑتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق کم زور ہے، بلکہ مصائب و مشکلات اللہ سے ان کے رشتہ کو اور مضبوط کرتے چلے جاتے ہیں۔

ملّی اور اجتماعی مشکلات

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور اس کے دین کو قبول کرتے

---

۱ ملاحظہ ہو الاسراء: ۹۰-۹۳۔ الفرقان: ۷، ۸، ۲۰

۲ الاحقاف: ۱۱

۳ ملاحظہ ہو سورۂ ہود: ۲۷-۳۱

ہیں، انھیں اس پر عمل اور استقامت، اس کی دعوت و تبلیغ اور اس کے غلبہ و برتری کی راہ میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ انھیں ہم دین وملت کی راہ کی مشکلات یا اجتماعی مشکلات کہہ سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں سے کہا کہ اگر تمھیں یہ مشکلات پیش آرہی ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم سے پہلے بھی ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو اس طرح کی مشکلات پیش آتی رہی ہیں۔ ان ہی مشکلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس کے دعوئ ایمان میں خلوص اور صداقت ہے اور کون جھوٹا دعویٰ کررہا ہے؟

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ○ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ○
(العنکبوت:۲، ۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی، حالاں کہ ہم نے ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزمایا ہے۔ اللہ یہ ضرور دیکھے گا کہ کون سچے ہیں اور یہ بھی ضرور دیکھے گا کہ کون جھوٹے ہیں۔

یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اہل ایمان کو پہلے بھی سخت سے سخت حالات سے گزرنا پڑا ہے اور اب بھی گزرنا پڑے گا۔

حق و صداقت اور باطل کی جنگ میں اللہ کے نافرمانوں اور باغیوں پر بھی مشکلات و مصائب آتے ہیں اور اہل ایمان بھی مشکلات سے گزرتے ہیں، لیکن دونوں کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ اللہ کے نافرمانوں پر مشکلات و مصائب ان کی تنبیہ کے لیے آتے ہیں۔ یہ ان پر اس کے عذاب کا پیش خیمہ بھی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات عذاب ان پر ٹوٹ پڑتا بھی ہے، لیکن مشکلات و مصائب کے ذریعہ اہل ایمان کی صداقت اور اخلاص کا امتحان ہوتا ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے کہ جو قوم بھی ایمان کا دعویٰ کرتی ہے اس کے خلوص اور صداقت کو ہر طرح جانچا جاتا ہے۔ جب وہ ہر آزمائش میں پوری اترتی ہے، نازک سے نازک حالات میں استقامت کا ثبوت فراہم کرتی ہے، جان و مال کی بازی لگانے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتی اور اس کے قول و عمل سے یہ ظاہر ہونے لگتا

ہے کہ صرف ایک خدا پر اس کا بھروسہ ہے اور اسی بھروسہ پر ہر مشکل کو وہ برداشت کر سکتی ہے، تب اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت کی کام رانیوں سے نوازتا ہے۔ یہی بات قرآن مجید کی ان آیات میں کہی گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ قف وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○ (البقرۃ: ۱۵۳-۱۵۷)

اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعے۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انھیں مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اس زندگی کو) محسوس نہیں کرتے۔ ہم ضرور تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک کے ذریعے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کرکے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادو، جن پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف واپس جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر ان کے رب کی عنایات ہیں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اِن آیات میں پہلے تو مشکلات میں صبر اور نماز سے مدد لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ان مشکلات کو بیان کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ میں پیش آتی ہیں۔ صبر یہ ہے کہ مشکلات میں استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا جائے۔ نماز رجوع الی اللہ کا دوسرا نام ہے۔ اسی سے مشکلات کے مقابلہ کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور وقتِ ضرورت جان ومال کی قربانی دینا آسان ہوتا ہے۔ جو لوگ مشکلات میں استقامت کا ثبوت دیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں، یہاں ان کو اللہ تعالیٰ کے لطف وعنایت اور رحمتِ خاص کی خوش خبری دی گئی ہے اور ان ہی کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ آزمائشیں اور تکلیفیں تو حق کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کا ہر کانٹا لہو کا پیاسا ہے۔ جو شخص حق کا علم اٹھائے اسے اسی راستہ پر چلنا ہوگا۔ ایک کانٹا نہیں نکلے گا کہ دوسرا پیوست ہوجائے گا۔ قدم چھلنی ہوں گے اور جسم لہولہان ہوگا، لیکن یہی پر خار راستہ اس جنت کی طرف جاتا ہے، جس کی راحتوں کا انسان اس محدود دنیا میں تصور تک نہیں کرسکتا اور اس دنیا میں بھی اسی راہ پر چلنے اور مسلسل چلتے رہنے ہی سے فتح ونصرت کے دروازے کھلتے ہیں۔ جب مصائب اور آزمائشیں اپنی آخری حد کو پہنچ جاتی ہیں اور امتحان مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی مدد کا نزول شروع ہوتا ہے اور بندہ حیرت کے ساتھ اس کی رحمت کا نظارہ کرنے لگتا ہے۔ اہلِ ایمان کے بارے میں اللہ کا یہی قانون ہے۔ اور اس میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کا یہ قانون ایک جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

(البقرۃ: ۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں پہنچ جاؤ گے، حالاں کہ ابھی تک تم پر ان لوگوں کے سے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ دشمنوں کی طرف سے ان پر سختیاں ہوئیں، فقر و فاقہ کی تکلیفیں انھیں اٹھانی پڑیں اور حالات کی سختی کی وجہ سے وہ ہلا دیے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ہوتے پکار اٹھتے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی (کیوں اس میں تاخیر ہو رہی ہے؟ اس وقت خوش خبری دی جاتی کہ) سن لو اللہ کی مدد قریب ہے۔[۱]

---

[۱] یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: آل عمران: ۱۴۰-۱۴۲۔ الانعام: ۳۴۔ یوسف: ۱۱۰

قرآن مجید نے پیغمبروں اور ان کی مخاطب قوموں کی جو تاریخ بیان کی ہے، اس میں اس کشمکش کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی تھی۔ اس کشمکش کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اس کے دین کو پیش کرتے، اس کی دعوت دیتے، تبلیغ کرتے، اس کے مطابق زندگی گزارنے اور اسے ہر شعبۂ حیات میں نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان کے مخاطبین کی اکثریت اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتی۔ اس کے ہاتھ میں طاقت اور اقتدار ہوتا اور وہ اخلاقی حدود کی پابند نہ ہوتی، اس لیے پیغمبروں کے خلاف ہر قسم کے حربے بے جھجک استعمال کرنے لگتی۔ اس کی طرف سے پیغمبروں پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے، طعن و تشنیع کی جاتی، زد و کوب کیا جاتا، انھیں گھر سے بے گھر ہونا پڑتا، خویش و اقارب جان کے دشمن بن جاتے اور جور و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے۔ اس کی مثالیں بھی قرآن نے پیش کی ہیں کہ ان میں سے کسی کو دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا، بے رحم ہاتھوں نے بہت سوں کی جان تک لے لی۔ ان تمام تکالیف کو انھوں نے صبر وسکون کے ساتھ برداشت کیا اور اللہ کے دین پر پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے۔ انھوں نے اللہ کے دین کے دشمنوں سے جنگیں بھی کیں، جان و مال کے نقصانات برداشت کیے اور حکومت و اقتدار بھی انھیں ملا۔ نہ تو مصیبتوں نے انھیں حق کے راستہ سے پھیرا اور نہ اقتدار پا کر وہ اس سے منحرف ہوئے۔ وہ دنیا سے اس طرح گئے کہ ان کا ہر نقشِ پا نشانِ حق بن گیا۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ نشان بتاتے رہیں گے کہ حق کیا ہے اور اس کے لیے جینا اور مرنا کسے کہتے ہیں؟

شخصی اور انفرادی مشکلات

اہلِ ایمان کو جس طرح اجتماعی طور پر آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح شخصی اور انفرادی طور پر بھی وہ آزمائشوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے اور تفسیروں میں صراحت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا پورا جسم زخموں اور

آبلوں سے بھر گیا تھا۔ سوئی کے ناکے کے برابر جگہ صحیح سالم نہ تھی، آسائش و راحت کی زندگی چھن چکی تھی، عزیز و اقارب دور ہو گئے تھے، سوائے ایک بیوی کے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔ اٹھارہ برس تک وہ اسی کیفیت میں رہے۔ پھر اللہ نے انھیں مشکلات سے نجات دی، سابقہ حالت بحال ہوئی، بلکہ اور زیادہ اللہ کے انعامات و اکرامات کے مستحق ہوئے[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے محض حسد کی وجہ سے کنویں میں پھینک دیا[2] مصر میں وہ کئی سال تک جیل میں رہے[3] ان کے غم میں روتے روتے ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہو گئیں[4] ان سب مراحل سے گزرنے کے بعد مصر کا اقتدار ان کے حوالہ ہوا[5]

حضرت یونس علیہ السلام کو جس قوم میں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا گیا، وہ جلد اس سے مایوس ہو گئے اور اسے چھوڑ کر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ سمندر کا سفر تھا۔ کشتی ڈگمگانے لگی، قرعہ اندازی ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام سمندر میں پھینک دیے گئے، مچھلی نے سموچا نگل لیا۔ انھیں اپنی فروگزاشت کا احساس ہوا، توبہ کی۔ خدا کی قدرت کہ مچھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل آئے[6]

اس طرح کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ تو نوع بہ نوع مشکلات اور صعوبتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جانی اور مالی مشکلات بھی پیش آتی ہیں اور خویش و اقارب کی جدائی کے

---

1. سورۃ الانبیاء: ۸۳، ۸۴۔ ص: ۴۱، ۴۲۔ ابن کثیر، تفسیر: ۴/ ۳۹
2. یوسف: ۱۵
3. ایضاً: ۴۲
4. ایضاً: ۸۴
5. ایضاً: ۵۶
6. الانبیاء: ۸۷، ۸۸۔ صافات: ۱۳۹-۱۴۸

صدمے بھی انھیں برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے ماننے والوں اور ان سے کم تر درجہ کے بندوں کو ان مشکلات کا پیش آنا نہ تو تعجب خیز ہے اور نہ سنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔

دنیا کی آسائش اللہ کی خوش نودی کی دلیل نہیں ہے

اللہ تعالیٰ جب اپنے نافرمانوں کو مال، اولاد اور دنیا کی راحت و آسائش سے نوازتا ہے تو بسا اوقات وہ اس خیالِ خام، بلکہ غرّہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہے اور اس کی رحمت ہی کی بارش ان پر ہو رہی ہے۔ اس فریب کی وجہ سے انھیں اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی اور وہ جس معاملہ میں جو غلط روش اختیار کرتے ہیں اسی پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کی تذکیر و تنبیہ کو وہ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ ہم غلط کار اور اللہ کے نافرمان ہیں تو اس کی یہ عنایت ہم پر کیوں ہے؟ آخرت کا انھیں یقین نہیں آتا، اس لیے آخرت سے ڈرانا ان کے مذاق کا موضوع بن جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں یا سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس بندہ کو اللہ نے اس دنیا میں نوازا ہے آخرت میں اسے محروم نہیں کرے گا۔ اسی ذہن کا ایک سرمایہ دار، جس کے پاس باغات کی دولت تھی، اپنے ایک غریب صاحب ایمان ساتھی کی نصیحت کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

وَ مَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَ لَئِنْ	میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی، لیکن
رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا	اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو
مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ (الکہف:۳۶)	یقیناً اس سے بہتر جگہ مجھے ملے گی[۱]

قرآن مجید نے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ کسی کو دنیا کی آسائش و راحت کا ملنا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے خوش ہے اور نہ یہاں کی کلفتیں اور تکلیفیں یہ معنی رکھتی ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہے۔

---

[۱] اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا کتابچہ 'دولت میں خدا کا حق' صفحہ ۹-۱۱، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی ان لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو ایمان و عمل سے آراستہ ہوں اور اس کے دین کے لیے قربانیاں دیں[۱]

مومن کو زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مومن کو اس دنیا میں ایک غیر مومن سے زیادہ آزمائشوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑتا ہے اور وہ ان سے کامیاب ہوکر نکلتا ہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مثل المؤمن كالخامة من الزرع تفيئها الريح مرة و تعدلها مرة و مثل المنافق كالأرزة لاَ تزال حتى يكون انجعافها مرة واحدة.[۲]

مومن کی مثال کھیتی کے نرم و ملائم پودے کی ہے کہ ہوا کبھی اسے جھکا دیتی ہے اور کبھی کھڑا کر دیتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی ہے۔ وہ اپنی جگہ جما رہتا ہے، اسے ہٹایا نہیں جاسکتا، یہاں تک کہ ایک ہی مرتبہ وہ جڑ پیڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

اسی مفہوم کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مثل المؤمن كمثل الخامة من الزرع من حيث اتتها الريح كفأتها فاذا اعتدلت تكَفَّأُ بالبلاءِ والفاجر كالأُرزة صماء معتدلة حتى يقصمها الله اذا شاء.[۳]

مومن کی مثال کھیتی کے نرم پودے کی ہے۔ جب بھی اور جدھر سے بھی ہوا آئے اسے جھکا دیتی ہے۔ جب ہوا بند ہوجاتی ہے تو وہ سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اسی طرح مومن تکلیف اور پریشانی سے نکل آتا ہے۔ فاجر و فاسق صنوبر کے درخت کی طرح ٹھوس، مضبوط اور بے لچک ہوتا ہے۔ جب اللہ چاہتا ہے اسے توڑ دیتا ہے۔

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا کتابچہ 'اسلام اور وحدتِ بنی آدم' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

۲۔ بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المرض۔ مسلم کتاب صفات المنافقین۔ باب مثل المومن کالزرع الخ۔

۳۔ حوالہ سابق

یہاں جو مثال دی گی ہے اس میں پہلی حدیث میں مومن کے مقابلہ میں منافق کا لفظ مروی ہے۔ دوسری حدیث میں فاجر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مسلم کی روایت میں کافر کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مومن چاہے وہ کافر اور منافق ہو یا اس سے کم تر درجہ میں فاسق و فاجر، اس پر آزمائشیں کم آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ ان کا جواب یہ ہے کہ مومن اس دنیا کو مقصود نہیں بناتا اور کسی بھی طریقہ سے متاعِ دنیا کے سمیٹنے کی فکر اسے نہیں ہوتی۔ وہ حلال وحرام کا پابند رہ کر زندگی گزارتا ہے، اس لیے غیر مومن کے مقابلہ میں اسے زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں۔ معاشی مشکلات کے علاوہ دوسری نوعیت کی مشکلات اور پریشانیاں بھی مومن کو لاحق ہوتی ہیں۔ اس سے اس کے اندر اپنی بے بسی اور خدا کی قدرت کا احساس ابھرتا ہے۔ اس کے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ وہ گرتا ہے، پھر اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بالآخر کامیاب و بامراد ہوکر اس دنیا سے جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جس شخص کے دل میں ایمان نہیں ہے اور جو دنیا کی گندگیوں میں لت پت پڑا ہوا ہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس پر اگر مشکلات آتی بھی ہیں تو اللہ کی طرف رجوع نصیب نہیں ہوتا۔ وہ انھیں حوادثِ زمانہ سمجھ کر گزر جاتا ہے۔ ناسازگار حالات اور مشکلات ومصائب میں جو لچک اور قلب میں جو شکستگی پیدا ہونی چاہیے وہ اس کے اندر نہیں پیدا ہوتی۔ اس وجہ سے اللہ کی مدد سے وہ محروم رہتا ہے۔ سوکھے پیڑ کی طرح اسے کسی آندھی اور طوفان کا انتظار ہوتا ہے اور جب اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے وہ بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

مومن کے لیے مشکلات خیر کا باعث ہیں

مومن کی زندگی میں جس نوعیت کی بھی مشکلات آتی ہیں وہ اس کے لیے شر کا باعث نہیں، خیر کا سبب ہوتی ہیں۔ وہ اس کے لیے خدا کا عذاب نہیں، اس کی رحمت ہیں۔ غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے وہ جن بلند درجات تک نہیں پہنچ پاتا، ان آزمائشوں کے ذریعے ان

تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ[1]

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے کسی قدر تکلیف میں ڈالتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی سے نوازنا چاہتا ہے اسے بیماری، فقر و فاقہ اور صدمات میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا دامن نہ چھوڑے اور خدا سے اپنا تعلق مضبوط رکھے تو اس سے اس کی مغفرت ہوتی ہے، وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ بات بعض اور حدیثوں میں زیادہ وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا اراد الله بعبدہٖ الخير عجل له العقوبة فی الدنيا و اذا اراد بعبده الشر امسک عنه بذنبهٖ حتی يوافی بهٖ يوم القيامة.[2]

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو دنیا ہی میں اسے اس کے گناہ کی سزا دینے میں جلدی کرتا ہے اور جب اس کا ارادہ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ہوتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا دینے سے رکا رہتا ہے، یہاں تک کہ قیامت میں اس سے پورا پورا بدلہ لیتا ہے۔

اسی سلسلۂ سند سے حضرت انسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان عظم الجزاء مع عظم البلاء و ان اللّٰه اذا احب قومًا ابتلاهم فمن رضی فله الرضی و من سخط فله السخط.[3]

آزمائش جتنی بڑی ہوتی ہے اتنی ہی بڑی جزا بھی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اسے جو شخص راضی خوشی برداشت کرے اس کے لیے اللہ کی رضا مندی حاصل ہوگی اور جو اس سے ناخوش ہو اس کے حصہ میں اللہ کا غصہ آئے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المرض

[2] ترمذی، ابواب الزہد، باب فی الصبر علی البلاء

[3] حوالہ سابق

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت محمود بن لبیدؓ سے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله عز و جل ليحمی عبده المومن من الدنيا وهو يحبه كما تحمون مريضكم من الطعام والشراب تخافونه عليه[1]

اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن کو اس سے محبت کرنے کے باوجود دنیا (کی آسائش و راحت) سے دور رکھتا ہے، جیسے تم اپنے مریض کو کھانے اور پینے سے روکے رکھتے ہو، کیوں کہ تم ڈرتے ہو کہ اس سے اسے نقصان پہنچے گا۔

اسی سلسلۂ سند سے یہ روایت بھی آتی ہے:

ان الله عز و جل اذا احب قوما ابتلاهم فمن صبر فله الصبر و من جزع فله الجزع[2]

اللہ عزوجل جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے۔ آزمائش پر جو صبر کرے اس کے لیے صبر (کا بہترین اجر) ہے اور جو جزع فزع کرے تو اسے جزع فزع (کا بدلہ) ملے گا۔

انبیاءؑ کو زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں

اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جس شخص کا ایمان جتنا زیادہ قوی ہوتا ہے اتنا ہی اسے آزمائشوں کی بھٹی میں تپایا جاتا ہے، تاکہ وہ زرِ خالص بن کر نکلے اور ہر طرح پاک و صاف ہوکر خدا کے دربار میں پہنچے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔

اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلاءً

لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟

---

[1] مسند احمد: ۵/۴۲۷ و رواہ الترمذی مختصرا، ابواب الطب، باب ماجاء فی الحمیة

[2] مسند احمد: ۵/۴۲۷

آپؐ نے فرمایا:

الاَنبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینہٖ فان کان فی دینہٖ صلبا اشتد بلاؤہ و ان کان فی دینہٖ رقۃ ابتلٰی علٰی قدر دینہٖ فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکہ یمشی علی الارض وما علیہ خطیئۃ۔[1]

پیغمبروں کی! پھر جو درجے میں ان سے قریب تر ہو، پھر جو ان سے قریب تر ہو۔ انسان کی آزمائش اس کے دین کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہے تو اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے، لیکن اگر اس کے دین میں کم زوری ہے تو آزمائش بھی اسی لحاظ سے ہوتی ہے۔ بندہ کی آزمائش مسلسل ہوتی رہتی ہے اور وہ اس قدر اس کو پاک صاف کرکے چھوڑ دیتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر گناہ کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عیش و عشرت اور آسائش و راحت سے نوازے، بلکہ یہاں اس کے نیک بندے زیادہ آزمائے جاتے ہیں اور ان کا امتحان سخت تر ہوتا ہے۔

مصائب کو دعوت دینا غلط ہے

راہبانہ مذاہب میں خدا سے قربت کے لیے مصائب و آلام کو ضروری سمجھا گیا ہے، اس لیے بہ خوشی ان کا استقبال کیا گیا اور اس بات کو بہت پسندیدہ سمجھا گیا کہ انسان مصائب کی دلدل میں پھنسا رہے اور اس سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ چناں چہ ان مذاہب کے زیر اثر انسان نے خود سے مصائب کو دعوت دی، تعذیبِ نفس کے نِت نئے طریقے نکالے، مال برباد کیا، جائداد پھونک ڈالی اور ہر طرح کی آسائش و راحت سے دست بردار ہوگیا، خود بھی اذیت برداشت کی اور بیوی بچوں اور متعلقین کو بھی مصیبت میں ڈالا۔ لیکن یہ ایک غیر فطری رجحان ہے۔ انسان کی فطرت مصیبتوں اور

---

[1] ترمذی، ابواب الزہد، باب فی الصبر علی البلاء۔ ابن ماجہ، ابواب الفتن باب الصبر علی البلاء

آزمائشوں سے گھبراتی ہے اور امن و عافیت چاہتی ہے۔ کسی بھی امتحان میں صبر اور ثبات الگ چیز ہے اور اپنے اوپر مشکلات کو مسلط کرلینا بالکل دوسری چیز۔ پہلا رویہ پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسندیدہ۔ اسلام نے جہاں مشکلات میں استقامت کی تعریف کی ہے وہیں اس رجحان کی سخت مذمت کی ہے کہ آدمی جان بوجھ کر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے یا ان کی تمنا اور آرزو کرے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی عیادت فرمائی، جو بیماری کی وجہ سے بالکل چوزہ کی طرح ہوگیا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اللہ سے (شفایابی کی) دعا نہیں کی اور اس سے عافیت نہیں طلب کی؟ اس نے کہا کہ میں تو یہ دعا کرتا ہوں: خدایا! آخرت میں مجھے جو بھی سزا تو دینے والا ہے وہ اسی دنیا میں دے دے۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم میں اس کی سکت کہاں ہے کہ اللہ کی سزا کو برداشت کرسکو۔ تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی؟

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ. — اے اللہ، ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی سے نواز اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

روایت میں آتا ہے کہ اس نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا کی۔[1]

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ ینبغی للمؤمن اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَهٗ — مومن کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

صحابہ نے دریافت فرمایا کہ مومن اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

یتعرض من البلاء لما لاَ یطیق[2] — ایسی مصیبت کا سامنا کرتا ہے جس کی طاقت نہیں رکھتا۔

---

[1] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب کراہیۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا

[2] مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات، بہ حوالہ ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی

عافیت طلب کی جائے

مصائب و آلام بعض اوقات دین و اخلاق کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ مصائب کی شدت میں کم زور انسان تو اپنا مقام ہی چھوڑ بیٹھتا ہے اور وہ سب کچھ کرنے لگتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے دنیا میں بھی اس کی سبکی ہوتی اور وقار مجروح ہوتا ہے اور آخرت میں بھی باز پرس ہوسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہیے اور مصائب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ عافیت کو احادیث میں دنیا کی سب سے بڑی دولت کہا گیا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد) حضرت ابوبکرؓ منبر پر کھڑے ہوئے تو رونے لگے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر بھی، جب آپ پہلے سال منبر پر تشریف لے گئے تو گریہ طاری ہوگیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

سلوا اللہ العفو و العافیۃ فان احدا لم یعط بعد الیقین خیرا من العافیۃ۔[1]

اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور عافیت طلب کرو۔ اس لیے کہ کسی بھی شخص کو یقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے بعد عافیت کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر عافیت نہ ہو تو آدمی کا ایمان بھی خطرے میں پڑسکتا ہے۔ اسی وجہ سے جو لوگ اسلام لاتے، بعض اوقات رسول اللہ ﷺ ان کو اس بات کی خاص طور پر تلقین فرماتے تھے کہ وہ عافیت کی دعا کرتے رہیں۔ چناں چہ ابو مالکؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اسلام لاتا رسول اللہ ﷺ اسے نماز کی تعلیم دیتے اور یہ دعا سکھاتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ عَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔[2]

اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے (ہر طرح کی پریشانیوں سے) عافیت دے اور رزق عطا فرما۔

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات، باب احادیث شتی من ابواب الدعوات

[2] مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں تو کیسے مانگوں؟ آپ نے اسے اوپر والی دعا سکھائی اور اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ چار باتیں تمھارے لیے دنیا اور آخرت (کی بھلائیوں کو) جمع کردیں گی۔[۱]

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ سب سے اعلیٰ اور افضل دعا کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا:

سل ربک العافیة والمعافاة فی الدنیا والآخرة. اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور معافات طلب کرو۔

دوسرے دن وہ آیا اور یہی سوال دہرایا کہ کون سی دعا افضل ہے؟ آپ نے اسے یہی جواب دیا۔ پھر وہ تیسرے دن بھی آیا اور یہی سوال کیا۔ آپ نے تیسرے دن بھی یہی جواب دیا اور فرمایا: جب تمھیں دنیا میں بھی عافیت مل گئی اور آخرت میں بھی، تو تم کامیاب ہوگئے۔[۲]

حدیث میں عافیت کے ساتھ معافات کا بھی لفظ آیا ہے۔ عافیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات دے اور صحت وتندرستی عطا فرمائے۔ معافات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کے شر سے محفوظ رکھے اور خود ہمیں بھی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرنے دے۔

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے رد نہیں ہوتی۔ صحابہؓ نے سوال کیا کہ اس خاص وقت میں کیا دعا کی جائے؟ آپ نے فرمایا:

سلوا اللہ العافیة فی الدنیا والآخرة.[۳] اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرو۔

---

[۱] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل التہلیل [۲] ترمذی، ابواب الدعوات

[۳] حوالۂ سابق

رسول اللہ نے طلبِ عافیت کی دوسروں کو بھی تلقین کی اور خود بھی اس پر عمل فرمایا۔ آپ صبح و شام جو دعائیں کرتے تھے، ان میں سے ایک دعا ان الفاظ میں مروی ہے:

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ[1]

اے اللہ! مجھے اپنے بدن کی تکلیفوں سے عافیت دے۔ اے اللہ! مجھے کان کی تکلیفوں سے عافیت دے۔ اے اللہ مجھے آنکھ کی تکلیفوں سے عافیت دے۔ سوائے تیرے کوئی معبود نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام کبھی یہ دعا ترک نہیں فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَھْلِیْ وَ مَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ مِنْ خَلْفِیْ وَ عَنْ یَمِیْنِیْ وَ عَنْ شِمَالِیْ وَ مِنْ فَوْقِیْ وَ اَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ[2]

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے عفو و درگزر اور عافیت کا طالب ہوں۔ اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل و عیال اور مال میں۔ اے اللہ میرے عیوب پر پردہ ڈال دے۔ مجھے جو خوف لاحق ہیں ان سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میری حفاظت فرما، میرے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے اور اوپر سے۔ میں اس بات سے تیری عظمت کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھے میرے قدموں کے نیچے سے اچک لیا جائے۔

مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا غلط ہے

اس مضمون کی اور بھی بہت سی دعائیں ہیں، جن میں طلب عافیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام نے اس بات کو سخت ناپسند کیا

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح

[2] ابوداؤد، کتاب الادب

ہے کہ آدمی مصیبتوں سے گھبرا کر راہِ فرار اختیار کرے اور ہمت ہار کر موت کی تمنا کرنے لگے۔ یہ بزدلی اور دوں ہمتی کسی مومن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یتمنّینّ احدکم الموت من ضرٍ اصابہ فاذا کان لاَ بد فاعلا فلیقل اللّٰھم اَحیِنِیْ مَا کَانَتْ الحَیٰوۃُ خَیرًا لِّیْ وَ تَوَفّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیرًا لِّیْ۔[۱]

تم میں سے کوئی بھی شخص کسی تکلیف کے پہنچنے پر موت کی ہرگز تمنا نہ کرے۔ اگر کسی وجہ سے یہ بالکل ضروری ہوجائے تو اس طرح کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندہ رہنا میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے حق میں بہتر ہو تو موت دے دے۔

قیس بن حازم کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت خبابؓ کی عیادت کے لیے گئے۔ ان کو بہ طور علاج گرم لوہے سے سات داغ دیے گئے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

لو لاَ ان النّبی صَلَّی اللّٰہ علیہ و سلّم نھانا ان ندعو بالموت لدعوت بہ.[۲]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، ورنہ میں اس کی دعا کرتا۔

حالات کی ناسازگاری سے گھبرا کر انسان بہت جلد موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ موت آئندہ کے سارے امکانات کو ختم کر دیتی ہے۔ جب تک مہلتِ حیات باقی ہے آدمی کی نیکیوں میں اضافہ ہوسکتا ہے اور اگر وہ غلط کار ہے تو اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کی توفیق اور سعادت مل سکتی ہے، اس لیے نیک اور صالح انسان کو بھی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ:

۱۔ بخاری، کتاب المرضیٰ، باب تمنی المریض الموت۔ مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب کراہیۃ تمنی الموت الخ۔
۲۔ بخاری و مسلم، حوالہ سابق

لا یتمنی احدکم الموت اما محسنا فلعله یزداد خیرا و اما مسیئا فلعله انِ یستعتب۔[1]

تم میں سے کوئی بھی شخص موت کی تمنا نہ کرے۔ اس لیے کہ اگر وہ نیک ہے تو امید ہے اس سے اس کی نیکی میں اضافہ ہوگا۔ اگر برا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے توبہ کرلے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یتمنین احدکم الموت ولاَ یدع به من قبل ان یاتیه انه اذا مات احدکم انقطع عمله و انه لاَ یزید المومن عمره الاَ خیرا.[2]

تم میں سے کوئی بھی شخص موت کے آنے سے پہلے ہرگز نہ تو اس کی تمنا کرے اور نہ اس کے لیے دعا کرے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مومن کے لیے تو اس کی عمر خیر اور بھلائی ہی میں اضافہ کرتی ہے۔

خودکشی حرام ہے

اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے۔ انسان جب معاشی تنگی، صحت کی خرابی، عزیزوں کے غلط رویہ، ان کی جدائی یا اسی طرح کے کسی بڑے صدمہ اور تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتا، تو زندگی ہی کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے اور اسے ختم کرکے مصائب و آلام سے نجات پانا چاہتا ہے۔ حالاں کہ زندگی یہی نہیں ہے جو اس وقت اسے حاصل ہے۔ اس کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے۔ موت اسی کا آغاز ہے۔ آنے والی اس زندگی میں کامیاب وہی ہوگا، جس نے موجودہ زندگی میں استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا ہو، جو شخص شدائد و مشکلات میں صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور جلد بازی و بے صبری میں متاعِ حیات ہی کو ختم کر دے، اس نے حقیقت میں اپنی آنے والی زندگی تباہ کردی۔ وہاں کی کامیابی اس جواں مرد اور باہمت انسان کے حصہ میں آئے گی، جو نازک ترین لمحات میں بھی خدا کا بندہ ہونے کا ثبوت دے اور

---

۱ بخاری، کتاب المرضیٰ، باب تمنی المریض الموت

۲ مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب کراھیۃ تمنی الموت الخ

زندگی کی آخری سانس تک اس پر قائم رہے۔ اسی وجہ سے خودکشی پر احادیث میں بڑی وعید سنائی گئی ہے۔

حضرت جندب بن عبد اللہ بجلیؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان میں کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اسے زخم لگا۔ وہ اس کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس سے اس قدر خون بہا کہ اسی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جلدی کی، قبل اس کے کہ میں اس کی روح قبض کرتا اس نے خود ہی اپنے آپ کو ختم کر دیا، لہٰذا میں نے جنت اس کے لیے حرام کر دی ہے۔[۱]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ حنین میں ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **هو من اهل النار** (وہ دوزخیوں میں سے ایک ہے) جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے بھرپور حصہ لیا اور پوری قوت سے وہ حریف کا مقابلہ کرتا رہا۔ بالآخر اس کے انتقال کی خبر پھیل گئی۔ اس کی جاں بازی کی وجہ سے بعض لوگوں کو آپ کی بات پر شبہ سا ہونے لگا۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے، البتہ شدید زخمی ہے۔ جب رات ہوئی تو وہ زخموں کی تاب نہ لا سکا اور خودکشی کرلی۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (میری بات غلط نہیں ہوسکتی) پھر آپ نے حضرت بلالؓ کے ذریعے یہ اعلان کرایا:

لاَ یدخل الجنة الاّ نفس مسلمة	جنت میں وہی شخص داخل ہوگا، جو مسلم
و ان اللّٰہ لیؤید ھٰذا الدین	ہے اور اللہ تو اس دین کی مدد فاجر آدمی
بالرجل الفاجر[۲]	کے ذریعے بھی کرتا ہے۔

اس سے زیادہ سخت حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ

---

۱ بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ۔
۲ بخاری، کتاب الجهاد، باب ان اللہ یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر۔ مسلم، حوالہ سابق

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من تردّی من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم يتردیٰ فيها خالدا مخلّدا فيها ابدا و من تحسّیٰ سمّا فقتل نفسه فسمه فی يده يتحساه فی نار جهنم خالدا مخلدا فيها ابدًا و من قتل بحديدة فحديدته فی يده يتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالدا مخلدا فيها ابدا۔[1]

جو شخص پہاڑ سے گر کر خود کشی کر لے وہ جہنم کی آگ میں جائے گا۔ اس میں وہ اوپر سے لڑھکتا رہے گا، اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ اور ابدی طور پر رہے گا۔ جو شخص زہر کا گھونٹ پی کر اپنے آپ کو ختم کر لے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ پی رہا ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اور ابدی طور پر رہے گا۔ جو شخص کسی لوہے سے اپنے آپ کو مار ڈالے تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جس سے وہ اپنا پیٹ چاک کر رہا ہوگا اور وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ اور ابدی طور پر رہے گا۔

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان حدیثوں میں بہ ظاہر یہ کہا گیا ہے کہ خود کشی کی سزا ہمیشہ کے لیے جہنم یا دائمی عذاب ہے، لیکن اس سے مراد طویل ترین عذاب ہے، اس لیے کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے۔ جو شخص توحید کا قائل ہے اس سے گناہِ کبیرہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ سزا کے بعد، چاہے وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، وہ بہر حال جنت کا مستحق ہوگا۔ لیکن ان احادیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود کشی کتنا شدید گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو طفیل بن عمرو دوسیؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک دوست نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ پہنچ کر ان کے یہ دوست بیمار ہو گئے۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی تو انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ اس طرح خود کشی کر لی۔ حضرت طفیل نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی

---

[1] بخاری، کتاب الطب، باب شرب السم الخ۔ مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه

حالت میں ہیں۔ البتہ ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا: رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے معاف فرما دیا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ تمھارے ہاتھ کیوں ڈھکے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا کہ جن ہاتھوں کو تم نے خود ہی خراب کر دیا ہے، انھیں ہم ٹھیک نہیں کریں گے۔ حضرت طفیلؓ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے ہاتھوں (کے جرم) کو بھی معاف فرمادے۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان خودکشی کرنے سے نہ تو کافر ہو جاتا ہے اور نہ ہمیشہ کے لیے جہنمی، البتہ اس کی سزا بہت سخت ہے۔

خودکشی اسلام میں کس قدر مبغوض اور ناپسندیدہ ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کرلی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔[2]

ایک وضاحت

ان احادیث سے، جو صحیح سندوں سے مروی ہیں، ثابت ہے کہ مرض کتنا ہی شدید اور ناقابل برداشت کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ جان کنی کی نوبت آجائے تو بھی اسلام خودکشی کی اجازت نہیں دیتا۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کبھی مرض ناقابلِ علاج ہوتا ہے اور صحت کی کوئی امید نہیں ہوتی، اس صورت میں آدمی اگر دوا علاج بند کردے تو کیا یہ بھی خودکشی ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ جہاں تک ہوسکے اس کی حفاظت ہونی چاہیے۔ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے آدمی کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اور حسبِ استطاعت علاج جاری رکھنا چاہیے۔ مرض کا علاج

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر

[2] مسلم، کتاب الجنائز۔ ابو داؤد میں تفصیل ہے۔ کتاب الجنائز، باب الامام لا یصلی علیٰ من قتل نفسہ

رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں بھی صحابہ کرام نے علاج کرایا ہے۔

بعض اوقات مریض کی زندگی بہ ظاہر ختم ہو جاتی ہے اور اسے مصنوعی طور پر مشینوں اور دواؤں کے ذریعے زندہ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ کیا رشتہ داروں اور ڈاکٹروں کو اس کا حق ہے کہ وہ یہ مصنوعی تدبیریں ختم کردیں۔ تاکہ جلد اس کا رشتۂ حیات ٹوٹ جائے اور وہ تکلیف سے نجات پاجائے۔ کیا یہ قتل نفس ہے یا مریض کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ معالج یا رشتہ داروں کی ذمے داری ہے کہ زندگی کی ایک رمق بھی اگر باقی ہے تو مریض کو موت سے قریب کرنے کی جگہ اسے زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔ کسی معالج یا عزیز کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ مریض کی زندگی ختم کرنے کی تدبیر کرے۔[1]

مشکلات میں مومن کا رویہ کافر کے رویہ سے مختلف ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس طرح بنائی ہے کہ یہاں انسان کے ساتھ خوشی بھی ہے اور غم بھی، راحت بھی ہے اور تکلیف بھی، صحت بھی ہے اور مرض بھی، عسرت و تنگ دستی بھی ہے اور فراخی و خوش حالی بھی۔ مسرت و شادمانی کے لمحے بھی ہیں اور صدمات و حادثات کی گھڑیاں بھی۔ ان حالات سے سابقہ مومن اور کافر دونوں ہی کو پیش آتا ہے، لیکن دونوں کا اندازِ فکر مختلف ہوتا ہے اس لیے ان پر ان کا ردعمل بھی جدا ہوتا ہے۔ کافر کسی بھی صدمہ اور تکلیف کو حالات کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ جب تک حالات سے مقابلہ کی اس میں طاقت ہوتی ہے، مقابلہ کرتا ہے اور جب حالات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں تو مایوسی کا شکار ہوجاتا ہے، مصائب کے بادل چاروں طرف منڈلاتے ہیں تو اس پر تاریکی چھاجاتی ہے، ماضی، حال، مستقبل، سب اسے بھیانک نظر آتے ہیں، اس کی ہمت

---

[1] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب 'صحت و مرض - اسلامی تعلیمات میں' صفحہ ۲۵۰-۲۷۱۔ ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

جواب دینے لگتی ہے اور راحت کا تصور بھی اس کے لیے دشوار ہو جاتا ہے، لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے اور راحت نصیب ہوتی ہے تو سمجھتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے دن پھر گئے۔ اب مصیبت کا کبھی سامنا نہیں ہوگا۔ خوشی اور راحت اس کے لیے لازوال ہے۔ وہ آسائش و راحت کو خدا کی دین نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی فہم و بصیرت، تگ و دو اور اسباب و وسائل کا نتیجہ تصور کرتا ہے، اسے اپنی دانائی، قوت بازو اور مادی تدابیر پر ناز ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ یہاں ایک خدا بھی ہے، جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جو آن کی آن میں اسے اپنی جگہ سے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے اور جس کے ایک اشارے سے اس کی نخوت و پندار کی ساری عمارت مسمار ہوسکتی ہے۔ لیکن ایک مومن کی نظر ہر حال میں خدا کی قدرت پر ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ حالات خدا کی مرضی کے تابع ہیں۔ جب چاہے وہ حالات کو بدل سکتا ہے، اس وجہ سے وہ نہ تو راحت میں اِتراتا ہے اور نہ تکلیف میں یاس وقنوط کا شکار ہوتا ہے۔ خوشی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف میں اس سے صبر و ثبات کا طالب ہوتا ہے۔ مومن اور کافر کے مزاج کے اس فرق کا ذکر قرآن مجید نے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ○ وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (ھود:۹-۱۱)

اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں پھر اسے اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ہو جاتا ہے اور سخت ناشکری کرنے لگتا ہے، لیکن اگر تکلیف کے پہنچنے کے بعد ہم اسے نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ میری ساری مصیبتیں ختم ہوگئیں۔ اس وقت وہ اترانے اور فخر کرنے لگتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان ہی کے لیے مغفرت اور بڑا بدلہ ہے۔

ان آیات میں ایمان والوں کی تعریف کی گئی ہے اور ان سے مغفرت اور

'اجر کبیر' کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں ان کی دو نمایاں خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ ایک صبر اور دوسری عمل صالح۔ ان دونوں خوبیوں میں ایک طرح کا ربط بھی ہے۔ جن لوگوں میں صبر کی خوبی ہو اور جو نرم و گرم ہر طرح کے حالات کو جھیل سکتے ہوں وہی اعمالِ صالحہ پر جم سکتے ہیں۔ جو لوگ بے صبرے اور تھڑ دلے مزاج کے ہوتے ہیں وہ کسی بھی میدان میں ثابت قدم نہیں رہ پاتے۔ اعمالِ صالحہ پر استقامت تو ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔

مشکلات میں صبر کی اہمیت

مصائب اور مشکلات ہر ایک کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ جو شخص صبر و ثبات کی راہ اختیار کرے اور جرأت و ہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے وہی اس دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس کے اندر اس کی ہمت نہیں ہے اور جو حالات کی سختی سے گھبرا کر میدان چھوڑ کر بھاگ جائے اسے یہاں جینے کا حق نہیں ہے۔ قرآن مجید نے ہر نازک موقع پر صبر کی تاکید کی ہے اور اسے مومن کا ایک نمایاں وصف قرار دیا ہے۔ نماز اور انفاق کی دین میں بنیادی اہمیت ہے۔ اس کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید نے صبر کا ذکر نماز اور انفاق کے ساتھ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن جس طرح خدا کے سامنے سر جھکاتا اور اس کی راہ میں اپنی دولت لٹاتا ہے، اسی طرح مشکلات میں ثابت قدم بھی رہتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الحج: ۳۵)

خوش خبری سنا دو، اللہ کے سامنے جھکنے والوں کو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو ان تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں جو انھیں پہنچتی ہیں، جو نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

ہر طرح کی مشکلات میں صبر مطلوب ہے

انسان کو زندگی میں بسا اوقات مالی پریشانیاں بھی لاحق ہوتی ہیں، بیماری سے بھی سابقہ پیش آتا ہے اور خویش و اقارب کے جدا ہونے کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے، جو اس طرح کے تمام مواقع پر صبر کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور نازک سے نازک لمحات میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○	(قابل ستائش ہیں) وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں تنگی ترشی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔ (البقرۃ:۱۷۷)

آیت میں 'بأساء' 'ضرّآء' اور 'حِيْنَ الْبَاْسِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ان تین لفظوں میں تین مختلف نوعیت کی مشکلات کا ذکر ہے۔'باساء' فقر و فاقہ اور معاشی تنگی کو کہا جاتا ہے۔'ضراء' مرض اور جسمانی تکلیف کے لیے آتا ہے۔'حین البأس' سے مراد جنگ کی حالت ہے۔ یہ مشکلات جتنی شدید ہوں صبر کی اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔ جو جتنی بڑی مشکل میں ثابت قدم رہے وہ اتنا ہی زیادہ قابل ستائش ہے۔ ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

مالی مشکلات

مالی پریشانیاں بعض اوقات بڑی ہی سخت اور صبر آزما ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے آدمی اپنی خود داری کھو دیتا ہے اور دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے جسے ان حالات میں صبر کی توفیق ملے۔ احادیث میں مالی مشکلات پر صبر کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ انصار میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے مالی مدد کی درخواست کی۔

آپ نے مدد فرمائی۔ انھوں نے پھر درخواست کی۔ آپ نے دوبارہ مدد فرمائی۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا ختم ہوگیا تو آپ نے فرمایا:

ما یکون عندی من خیر فلن ادَّخِرہ عنکم و من یستعفف یعفه اللّٰه و من یستغن یغنه الله و من یتصبر یصبره اللّٰه وما اعطی احد عطاءً خیر و اوسع من الصبر۔ [1]

میرے پاس جو بھی مال ہوگا اسے تمھیں دیے بغیر جمع کر کے نہیں رکھوں گا، لیکن جو شخص سوال سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے بچاتا ہے، جو انسانوں سے بے نیاز ہونا چاہے اللہ اسے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو بر وقت صبر کرے تو اللہ اسے صبر کی توفیق عطا کرتا اور ثابت قدم رکھتا ہے، کسی بھی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع تر کوئی چیز عطا نہیں ہوئی۔

معاشی پریشانیوں میں صبر کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو شخص صبر کا دامن نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد اسے حاصل ہوتی ہے۔ صبر ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، جس شخص کو یہ مل جائے اس پر خیر کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

احادیث میں اس بات کی بڑی ترغیب دی گئی ہے کہ مالی مشکلات میں انسان اللہ کی طرف رجوع کرے، اپنا دکھ درد اس سے بیان کرے، کسی انسان سے اس کا تذکرہ نہ کرے اور اس کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اصابته فاقة فانزلها بالناس لم تسدَّ فاقته و من انزلها باللّٰه اوشک الله له بالغنی اما بموت عاجل او غنًی عاجل۔ [2]

جس شخص کو فاقہ لاحق ہو اور وہ لوگوں سے اسے بیان کرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں کیا جائے گا اور جو اسے اللہ کے سامنے رکھے تو بہت جلد اسے بے نیازی عطا کرے گا۔ وہ اس طرح کہ یا تو جلدی سے اسے دنیا سے اٹھالے گا یا جلد مال و دولت عطا کرے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل التعفف والقناعۃ

[2] ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی الاستعفاف

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من جاع او احتاج فکتمه الناس	جس شخص کو بھوک یا احتیاج لاحق ہو اور وہ
کان حقا علی الله ان یرزقه	اسے لوگوں سے چھپائے تو اللہ کی ذمے داری
رزق سنة من حلال.[1]	ہے کہ اسے ایک سال کی حلال روزی عطا کرے۔

مصائب و مشکلات میں صبر کی یہ فضیلت ہے۔ اس فضیلت کو پانے کے لیے ایک مومن ان مشکلات کو بھی جھیل جاتا ہے، جنھیں کوئی دوسرا شخص آسانی سے برداشت نہیں کر پاتا۔ جب انسان اللہ کے بھروسے پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ جو اس کا دامن تھام لے وہ اس کے لیے غیب سے راہیں کھولتا ہے اور اس کی مشکلات کو آسان کرتا ہے۔

مرض اور جسمانی تکالیف

انسان چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ صحت مند اور تندرست رہے، لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ اس دنیا میں صحت کے ساتھ مرض بھی لگا ہوا ہے۔ صحت مند سے صحت مند آدمی بھی کبھی نہ کبھی مرض کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ بعض امراض تو اس قدر پیچیدہ اور تکلیف دہ شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ آدمی کی قوتِ برداشت جواب دینے لگتی ہے۔ انسان مرض سے بچنے اور محفوظ رہنے کی تدبیریں کرتا رہا ہے۔ اسی کے نتیجے میں طب نے ترقی کی اور بعض ان میدانوں میں کامیابی حاصل کی، جن میں وہ پہلے ناکام تھی، لیکن اس کے باوجود آج بھی بہت سے امراض کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

جب بھی انسان کو مرض لاحق ہو اسلام دوا علاج کی طرف متوجہ کرتا اور ضروری تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے مرض کی حالت میں صبر کا حکم دیا ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے[2]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء بحوالہ بیہقی

[2] اس سلسلے کی مزید احادیث کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض۔ اسلامی تعلیمات میں' ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

حدیث میں مرض اور تکلیف کو گناہوں کے کفارے اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا یصیب المسلم من نصب ولاَ وصب ولاَ هم ولاَ حزن ولاَ اذی ولاَ غم حتّٰی الشوکة یشاکها الّا کفّر اللّٰه بها من خطایاه۔[1]	مسلمان کو (مستقل نوعیت کا) کوئی مرض ہو، کسی قسم کی تکان ہو، کوئی فکر، ملال، تکلیف اور غم ہو یہاں تک کہ کوئی کانٹا اس کے چبھ جائے تو بھی اللہ اس کی وجہ سے اس کی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے اور انھیں معاف کرتا ہے۔

خویش و اقارب کی موت

انسانوں کو اپنے رشتہ داروں سے خاص طرح کا قلبی تعلق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان سے اس کی بہت سی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ بعض رشتہ داروں کو تو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ لیکن موت بہرحال ایک حقیقت ہے، جو بعض اوقات ان قریب ترین افراد کو انسان سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیتی ہے، جن کی عارضی جدائی بھی اسے شاق گزرتی ہے۔ اس طرح کے نازک مواقع پر صبر و ثبات کی بہ کثرت احادیث میں فضیلت بیان ہوئی ہے اور اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔[2] یہاں اس ذیل کی ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما یزال المؤمن یصاب فی	مومن کو اس کی اولاد، اس کے رشتہ داروں

[1] بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المریض۔ مسلم، ابواب البر والصلۃ، باب ثواب المومن فیما یصیبہ

[2] ان احادیث کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کا مضمون 'مصائب و آلام اور اسلام' مطبوعہ ماہنامہ زندگی رام پور کے شمارے مئی اور جون ۱۹۸۱ء

ولدہ و حامتہ حتی یلقی اللہ و لیست لہ خطیئۃ.[۱]

اور قریبی تعلق رکھنے والوں میں سے مرنے والوں کا صدمہ پہنچتا رہتا ہے (اور اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

بعض جامع حدیثیں

ذیل میں بعض جامع حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں، جن میں مرض یا جسمانی تکلیف، مالی پریشانی اور خویش و اقارب کی موت پر صبر کے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یزال البلاء بالمؤمن و المؤمنۃ فی نفسہٖ و ولدہ و مالہ حتّٰی یلقی اللہ وما علیہ خطیئۃ.[۲]

مومن مرد اور مومن عورت کی ان کی ذات، اولاد اور مال کے سلسلے میں آزمائش ہوتی رہتی ہے (اور اس کی وجہ سے ان کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ اللہ سے اس طرح ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے:

ان العبد اذا سبقت لہ من اللہ منزلۃ لم یبلغھا لعملہ ابتلاہ اللہ فی جسدہ او فی مالہ او فی ولدہ ثم صبرہ علیٰ ذٰلک حتی

بندہ کے لیے جب اللہ کی طرف سے کوئی ایسا اونچا مقام مقدر ہوتا ہے جہاں تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ پاتا تو اللہ تعالیٰ اسے جسمانی یا مالی یا اولاد کے سلسلے کی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ پھر اسے اس پر صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے

۱۔ موطأ امام مالک، جنائز، الحسبۃ فی المصیبۃ

۲۔ ترمذی، ابواب الزہد، باب فی الصبر علی البلاء

یبلغه التی سبقت له من الله.[۱]
اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لیے پہلے سے لکھ دیا گیا ہے۔

حقیقی صبر صدمہ کے وقت ہوتا ہے

حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت انسان کو صدمہ پہنچے اس وقت صبر کا ثبوت دینا چاہیے۔ یہی حقیقی صبر ہے۔ ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ فطری طور پر غم ہلکا ہوتا چلا جاتا ہے اور آدمی صبر کر ہی لیتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الصبر عند الصدمة الاولیٰ[۱]
صبر تو وہ ہے جو صدمہ کے شروع میں ہو۔

حضرت ابو اُمامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یقول الله سبحانه ابن اٰدم ان صبرت و احتسبت عند الصدمة الاوّلیٰ لم ارض لک ثوابًا دون الجنة.[۲]
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم اگر تو نے صدمہ کے شروع ہی میں صبر کیا اور ثواب طلب کیا تو میں جنت سے کم کسی چیز کو تیرے ثواب کے لیے پسند نہیں کروں گا۔

مشکلات میں رجوع الی اللہ

مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو اپنے وسائل و ذرائع پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد ہے۔ وہ اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ اور مشکل کشا سمجھتا ہے۔ اس کے سوا کسی پر وہ تکیہ اور بھروسہ نہیں کرتا۔ جو شخص مصیبت اور پریشانی میں بھی خدا کی طرف رجوع نہ کرے وہ غفلت کی نیند سو رہا ہے، اسے جلد بیدار ہونا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا انقطع شسع احدکم
جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اسے انا للہ و انا الیہ راجعون

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی عیادۃ المریض، بہ حوالہ احمد و ابوداؤد۔

۲ بخاری، کتاب الجنائز، باب الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ۔ مسلم، کتاب الجنائز۔

۳ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الصبر علی المصیبۃ

فلیسترجع فانه من المصائب.[1]	پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ یہ ایک طرح کی مصیبت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت اور پریشانی چھوٹی ہو یا بڑی، ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

صدمہ کے یاد آنے پر رجوع الی اللہ

بعض حادثات بڑے گہرے اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ انسان ان کو بھلا نہیں پاتا۔ وہ دل و دماغ پر چھائے رہتے ہیں اور ان کی یاد سے دل کے زخم ابھر آتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب بھی کوئی حادثہ یاد آئے اور انسان اللہ کی طرف رجوع کرے تو اسے نیا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم و لاَ مسلمة یصاب بمصیبة فیذکرھا و ان طال عھدھا فیحدث لذٰلک استرجاعا الاّ جدّد الله تبارک و تعالٰی له عند ذٰلک فاعطاه مثل اجرھا یوم اصیب بھا.[2]	کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کو تکلیف پہنچتی ہے، اسے وہ یاد کرکے، چاہے اس پر لمبی مدت ہی کیوں نہ گزر چکی ہو، ازسرنو اِنَّا لِلّٰہِ الخ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی طرح ایک نیا اجر و ثواب دیتا ہے جیسا اس نے صدمہ کے دن اسے دیا تھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ اس کے نقصان کی تلافی فرماتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں

---

[1] رواہ البیہقی (مشکوٰۃ، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت) رواہ البزار و ابن عدی۔ علامہ مناوی کہتے ہیں: یہ حدیث گو سند کے لحاظ سے کم زور ہے، لیکن متعدد سندوں سے مروی ہے، اس لیے اس میں قوت پیدا ہوگئی ہے۔ التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/ ۸۲

[2] مسند احمد: ۱/۲۰۱، بیہقی، شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت) روی بمعناہ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الصبر علی المصیبۃ

نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے۔

ما من مسلم تصیبه مصیبة فیقول ما امر اللّٰه اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن اللّٰهم أَجِرْنِی فِی مُصِیْبَتِیْ وَ اخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِّنْهَا اِلاّ خَلف اللّٰه له خیرًا منها

کوئی بھی مسلمان کسی تکلیف کے پہنچنے پر اللہ کے حکم کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون کہے اور دعا کرے کہ اے اللہ مجھے اپنی اس تکلیف کا اجر وثواب عطا فرما اور جو چیز چھن گئی ہے میرے لیے اس سے بہتر بدل فراہم کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدل عطا فرمائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میرے شوہر ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں گو یہ دعا پڑھتی تھی، لیکن دل میں بہرحال یہ خیال آتا تھا کہ ابو سلمہؓ جنھوں نے خدا کی راہ میں سب سے پہلے ہجرت کی تھی ان کا بہتر بدل کون ہو سکتا ہے؟ (اس دعا کی برکت سے بعد میں) خود رسول اللہ سے میرا عقد ہوا (اور مجھے آپ کی ازواج میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی)۔[1]

مومن صابر و شاکر ہوتا ہے

مومن کا مزاج صبر و شکر کا ہوتا ہے۔ اس کی مزاجی کیفیت کو ایک حدیث میں بہت ہی عمدہ پیرایہ اور بہترین اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صہیب رومیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عجبا لِامر المؤمن انَّ امره کلّه خیر و لیس ذٰلک لِاحد الّا للمؤمن، ان اصابته سراء شکر فکان خیرًا له، و ان اصابته ضراء صبر فکان خیرا له.[2]

مومن کا معاملہ کتنا اچھا ہے کہ وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر وہ مسرت سے ہم کنار ہوتو شکر کرتا ہے۔ یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

---

[1] مسلم، کتاب الجنائز

[2] مسلم، ابواب الزہد، باب فی احادیث متفرقۃ

اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عجب للمؤمن ان اصابه خير حمد الله و شكر و ان اصابته مصيبة حمد الله فصبر و المؤمن يوجر فى كل امره حتى فى اللقمة يرفعها الى فى امرأته[1]

مومن کا حال عجیب ہے کہ اگر اسے راحت اور آسائش ملے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور صبر کرتا ہے۔ مومن کو اس کے ہر کام کا اجر و ثواب ملتا ہے، حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں جو لقمہ وہ ڈالتا ہے۔ اس پر بھی اسے اجر ملتا ہے۔

صبر و شکر بہت ہی بنیادی خوبیاں ہیں۔ ان سے زندگی میں حقیقت پسندی آتی اور اسے تب و تاب نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بے شمار نعمتیں ملتی ہیں۔ ان نعمتوں کے بھرپور احساس اور قول و عمل سے ان کے سچے اعتراف کا نام شکر ہے۔ اس سے خدا کی خوش نودی حاصل ہوتی اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

جس شخص کو یہ احساس ہو کہ زندگی، صحت، مال و دولت، بیوی بچے اور خاندان، جو کچھ بھی اسے ملا ہے نہ تو خود بخود ملا ہے اور نہ ذاتی محنت سے اسے اس نے حاصل کیا ہے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اور اس کی امانت ہے، وہ کسی بھی معاملے میں غیر ذمے دارانہ روش نہیں اختیار کر سکتا۔ وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرے گا، بلکہ ان کا بہترین استعمال کرے گا، اس کی دولت غلط اور ناجائز کاموں میں صرف نہ ہوگی۔ وہ حقوق شناس ہوگا۔ کسی کو اس سے کوئی گزند یا تکلیف نہیں پہنچے گی، بلکہ وہ ہر ایک کا بہی خواہ ہوگا۔ اس سے معاشرہ کی ہم دردی اور محبت اسے حاصل ہوگی۔ یہ ہم دردی وہ دولت ہے جو انسان کو بڑے بڑے کام انجام دینے کے قابل بناتی ہے۔ زندگی کی یہ کامیاب راہ انسان پر جذبۂ شکر سے کھلتی ہے۔

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت)

صبر آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ کسی بھی نعمت کے چھن جانے اور کسی بھی مشکل کے آن پڑنے پر جزع فزع اور شکوہ شکایت نہ کرے، مایوسی کا شکار نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرے اور اس کے اس یقین میں کوئی فرق نہ آئے کہ مرضیِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

صبر سے آدمی میں قناعت کا جوہر ابھرتا ہے جو اسے معاشی مشکلات میں ناجائز طریقے اختیار کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اگر آدمی کا دامن قناعت کی دولت سے خالی ہو تو معاشی مشکلات کو دور کرنے ہی کے لیے نہیں، بلکہ اسبابِ تعیش و راحت کو بڑھانے اور سمیٹنے کے لیے بھی وہ دھوکا، فریب، جھوٹ، رشوت ہر طرح کی غیر اخلاقی حرکتیں کر سکتا ہے، حتّٰی کہ قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد بھی اس سے ناممکن نہیں ہے۔ غور کیجیے، صبر کے ایک وصف کے ذریعے معاشرہ کو کتنی اعلیٰ قدریں ملتی ہیں اور بے صبرے معاشرہ کو کتنی گراوٹ اور پستی دیکھنی پڑتی ہے۔

صبر کا تصور یہ ہے کہ آدمی محاذِ جنگ پر دشمن کے مقابلہ میں جما رہے۔ جنگ میں ہر فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ حریف کو زیر کردے اور اس پر غالب آجائے۔ صبر آدمی کو ناسازگار حالات کے مقابلہ اور ان پر غالب آنے کی یہی قوت اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔ آج کا دور ہی مقابلہ کا دور ہے۔ ہر طرف مقابلہ ہے۔ اس میں کامیابی کے لیے بے پایاں صبر کی ضرورت ہے۔ اسلام نے صبر کی جو تاکید کی ہے ان حالات میں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

صبر اور شکر خدا کی محبوب صفات ہیں۔ ان سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہے اور انسان پر کامیابی کی راہیں کھلتی ہیں۔

معاشرہ کی ذمے داری

اسلام نے ایک طرف تو انسان میں حالات سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ پیدا کیا ہے اور دوسری طرف معاشرہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی ذمے داری محسوس کرے۔ اس نے مسکینوں، محتاجوں، بیماروں، مصیبت زدوں اور معاشرہ کے کم زور افراد کے ساتھ ہم دردی اور محبت کی جو تعلیم دی ہے، اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوسکتا ہے:

عن ابن عمرؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال المسلم اخو المسلم لاَ یظلمه ولاَ یسلمه و من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰہ فی حاجتهٖ و من فرّج عن مسلم کربة فرّج اللّٰہ عنه کربة من کربات یوم القیامة و من ستر مسلمًا ستره اللّٰہ یوم القیامة۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان بھائی ہے مسلمان کا، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی (ظالم) کے حوالے کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے اللہ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی (دنیا کی) کوئی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف اس کی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس حدیث میں سب سے پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اسے اس کے ساتھ بھائی کا سا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی وضاحت بعد کے فقروں سے ہوتی ہے۔ فرمایا کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے۔ ظلم عموماً کم زور پر ہوتا ہے۔ سماجی، معاشرتی، معاشی، تعلیمی ہر سطح پر ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کا دامن ہر طرح کے ظلم سے پاک ہونا چاہیے۔

---

[1] بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم

ارشاد ہوا ''وَلاَ یُسلِمُہٗ'' اسے کسی ظالم کے حوالے نہ کرے۔ کوئی شخص اس پر دست درازی کرے تو بے تعلق ہوکر نہ بیٹھ جائے۔ بدمعاش اور شرپسند عناصر اس کی جان، مال اور عزت و آبرو لوٹ رہے ہوں اور اس کے بیوی بچوں کو تہ تیغ کر رہے ہوں تو اسے دوسرے کی مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اپنی ذات اور اپنے خاندان پر حملہ تصور کرے، بے بنیاد الزامات لگا کر اس کے خلاف حکام کو نہ بھڑکائے، اسے جھوٹے مقدمات میں نہ پھنسائے۔ اس طرح کی ذلیل حرکتوں سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی باز رکھے۔ یہ بات ایک مسلمان کے دین و ایمان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے بھائی کو جور وستم کا نشانہ بنتے دیکھ کر خاموش ہوجائے، اسے اپنے مظلوم بھائی کو ظالم کے چنگل سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اپنی استطاعت کی حد تک اسے تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔ کسی کم زور کو جب تک معاشرہ میں تحفظ نہ ملے وہ ترقی نہیں کرسکتا۔

اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک مسلمان کسی حادثہ یا سانحہ سے دوچار ہو یا معاشی پریشانی میں گرفتار ہوتو دوسرا مسلمان اسے اسی حال میں نہ چھوڑ دے اور اس پر مسرت نہ محسوس کرے، بلکہ اس کے ساتھ ہم دردی اور تسلی و تشفی کا اظہار کرے اور اس مصیبت سے نکلنے میں اس کی مدد کرے۔

اس کے بعد ایک مسلمان کے ساتھ تعاون اور اس کی مشکلات کو دور کرنے کا اجر وثواب بیان ہوا کہ اس سے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس کی مشکلات کو دور فرماتا ہے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو اسے رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ اس پر پردہ ڈال دیا جائے۔ جو شخص اپنے کسی بھائی کے ساتھ اس شرافت اور مروت کا ثبوت دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی شخص کوئی غلط کام کر بیٹھے تو اس کی غلطی کو اس پر ظلم و زیادتی کا بہانہ نہ بنایا جائے اور اپنی

ہم دردیوں سے محروم نہ کر دیا جائے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیا جائے اور اس کے ساتھ جو ہم دردی اور خیر خواہی کی جاسکتی ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ کسی غلط کار کی اصلاح اور دوسروں کو اس کے شر سے بچانا ایک الگ نوعیت کا کام ہے۔ یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔

یہ مزاج کسی معاشرہ کا بن جائے تو کوئی بھی مصیبت زدہ شخص اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہیں محسوس کرے گا اور اپنی مشکلات پر آسانی سے قابو پاسکے گا۔

ജ്ജ